از جناب وحید الدین خان

# دورِ جدید کا سائنسی معیار اور دینِ اسلام کی ابدیت و آفاقیت

## تاریخی حقائق، تقابل و تجزیہ اور اسلام کی برتری

جدید انسان ایک عجیب مشکل (DILEMMA) سے دوچار ہے۔ اس کے پاس ٹکنالوجی ہے مگر اس کے پاس فلسفہ حیات نہیں۔ اس کے پاس جسمانی سفر کے لئے مشین ہے مگر اس کے پاس روحانی سفر کے لئے عقیدہ نہیں یہی جدید انسان کا اصل مسئلہ ہے۔ برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ - ۱۹۷۰ء) نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم بجلی کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں صرف یہ کہ اس کو ہم کس طرح اپنے لئے کارآمد بنا... سے زیادہ جاننے کی خواہش بے فائدہ مابعد الطبیعات میں چھلانگ لگانے کے ہم معنی ہے۔

برٹرینڈ رسل اور اس جیسے دوسرے بے شمار لوگوں کی اصل مشکل یہ ہے کہ وہ صرف "بجلی کیا ہے" کے سوال کو لینا چاہتے ہیں۔ اور "بجلی کیوں ہے" کے سوال کو نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر انسانی فطرت اس تفریق پر راضی نہیں۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ بجلی کو عملاً استعمال کرنے کے ساتھ اس حقیقت کو بھی جاننا چاہتے یہ ایک ایسا لازمی سوال ہے جس سے اپنے آپ کو خالی کرنا کسی انسان کے لئے ممکن نہیں۔

نظریاتی سوالات کا جواب معلوم کئے بغیر بھی بجلی ہمارے کارخانوں کو چلاتی ہے۔ اور ہمارے شہروں کو روشن کر رہی ہے۔ مگر انسانی فطرت اس سے انکار کرتی ہے کہ وہ یہیں ٹھہر جائے۔ وہ بجلی کو استعمال کرے مگر بجلی کی حقیقت کو جاننا نہ چاہے۔ آدمی عین اپنی فطرت کے مجبور ہے۔ کہ وہ بجلی کیا ہے کے سوال کے ساتھ "بجلی کیوں ہے" کے سوال پر بھی غور کرے۔

اسی دوسری چیز کا نام عقیدہ ہے اور انسان عقیدہ (FAITH) کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جدید انسان کی اصل کمزوری یہی ہے کہ اس نے عقیدہ کو کھو دیا ہے اب اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ آج صحیح اور سچا عقیدہ صرف اسلام ہے تو یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ آج کے انسان کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلام ہے

**سائنسی معیار**

دورِ جدید کا مذہب اسلام ہے۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب نہیں جو دورِ جدید کے معیار پر پورا اتر سکے۔ اس لئے اسلام کے سوا کوئی مذہب نہیں جس کو دورِ جدید کا مذہب کہنا باعتبار حقیقت درست ہو۔ موجودہ دور سائنسی دور ہے۔ موجودہ دور میں انسان ہر چیز کو سائنسی معیار پر جانچتا ہے جو سائنسی معیار

پوری نہ اترے اس کو رد کر دیتا ہے۔

ابتداءً ہر مذہب سچا مذہب تھا مگر بعد میں ہونے والی انسانی ملاوٹوں کے نتیجہ میں مذاہب اس قابل نہ رہے کہ وہ سائنس کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں جب کہ اسلام ایک محفوظ دین ہے اور اس بنا پر وہ سائنسی معیار پر صد فی صد پورا اترنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام موجودہ زمانہ میں بلا مقابلہ کامیابی کی پوزیشن میں ہے بشرطیکہ اسے جدید انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

سائنسی معیار کیا ہے اور غیر سائنسی معیار کیا۔ اس کو سمجھنے کے لئے ایک سادہ سی مثال لیجئے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے برٹرینڈرسل نے لکھا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ حقیقت وہ ہے جو مشاہدہ کے ذریعہ معلوم ہو نہ کہ وہ جس کو محض قدیم سندوں کی بنا پر مان لیا جائے مگر یہ مکمل طور پر ایک جدید تصور ہے جو سترھویں صدی سے پہلے بمشکل اپنا وجود رکھتا تھا۔ ارسطو نے دعویٰ کیا کہ عورتوں کے دانت مردوں سے کم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس کی شادی دوبارہ ہوئی تھی۔ اس کو کبھی یہ خیال نہ آیا کہ اس بیان کی تصدیق اپنی بیویوں کے منہ کو دیکھ کر کرے۔

مذکورہ مثال کے مطابق سائنسی معیار واقعاتی معیار ہے۔ اور غیر سائنسی معیار قیاسی معیار۔ ارسطو نے محض قیاس کی بنیاد پر یہ مان لیا کہ عورت کے منہ میں مرد سے کم دانت ہیں۔ اس نے عورت کو کم درجہ کی مخلوق فرض کیا۔ اس لئے اس نے قیاس کیا کہ عورت جب کم درجہ کی مخلوق ہے تو اس کے منہ میں دانت بھی نسبتاً کم ہونے چاہئیں۔ اس کے برعکس برٹرینڈرسل کا ذہن دور جدید میں بنا ہے جو ہر چیز کا واقعاتی تجزیہ چاہتا ہے اس لئے اس نے کہا کہ قیاس کی بنیاد مت مانو بلکہ عورت اور مرد دونوں کا منہ کھول کر ان کے دانت گنو۔ اور پھر دیکھو کہ دونوں کے دانت برابر ہیں یا ایک دوسرے سے کم ہیں۔

قدیم زمانہ قیاسی معیار پر باتوں کو ماننے کا زمانہ تھا اس لئے قدیم زمانہ میں یہ ممکن تھا کہ جو مذہب بھی رائج ہو اس کو قیاسی مفروضات کی بنا پر درست مان لیا جائے۔ مگر موجودہ زمانہ میں آدمی کسی بات کو صرف اس وقت مانتا ہے جب کہ اس کے متعلق تمام حقائق کا تجزیہ کرکے وہ اس کی معقولیت کو بالواسطہ یا براہ راست طور پر جان چکا ہو۔

یہ وہ معیار ہے جس کو منطبق کرنے کے بعد دوسرے تمام مذاہب اپنے آپ رد ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد صرف اسلام باقی رہتا ہے جو سائنسی معیار پر پورا اترے۔

مذہب توحید | سائنس نے جو کائنات دریافت کی ہے اس میں مکمل وحدت ہے۔ پوری کائنات یکساں قسم کے قانون کے تحت نظر آتی ہے۔

ایک برطانوی سائنسداں پروفیسر آئن راکس برگ (IANROXBURG) کائنات کیوں اس قدر

یکساں ہے (WHY IS THE UNIVERSE SO UNIFORM ?) کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ کائنات تعجب خیز حد تک یکساں ہے۔ ہم خواہ کسی طور پر بھی اس کو دیکھیں۔ کائنات کے اجزاء میں وہی ترکیب اسی تناسب سے پائی جاتی ہے۔ زمین پر جو طبیعاتی قوانین دریافت کئے گئے ہیں وہ تحکمی اعداد پر مشتمل ہیں۔ جیسے کسی الیکٹران کی مقدار مادہ کا تناسب ایک پروٹان کے مقدار مادہ کا سب ایک وٹران کے مقدار مادہ سے جو کہ تقریباً ۱۸۴۰ کے مقابلہ میں ایک ہوتا ہے۔ یہی تناسب ہر جگہ اور ہر وقت پایا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے کیا ایک خالق نے تحکمی طور پر انہیں اعداد کا انتخاب کر رکھا ہے۔ کیا کائنات کے وجود کے لئے ان اعداد میں وہی تناسب قدر ضروری ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔ پروفیسر آئن راکس برگ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

سائنس نے جو کائنات دریافت کی ہے وہ کائنات وحدت ہے ایسی کائنات میں صرف توحید کا تصور فٹ بیٹھتا ہے۔ شرک کا تصور سائنسی کائنات کے ساتھ کسی طرح ہم آہنگ نہیں۔

اب مختلف مذاہب کو دیکھئے تو تمام مذاہب مشرکانہ عقائد پر مبنی نظر آتے ہیں۔ پارسی کائنات میں دو خدا مانتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک خدا کی تعداد تین ہے۔ ہندو ازم میں خدا کی تعداد کم سے کم ۲۳ اور زیادہ سے زیادہ ۳۳ کروڑ بتائی گئی ہے۔ افریقہ کے قبائلی مذاہب میں ہر چیز خدا ہے۔ صرف ایک انسان ہے جو اس خدائی میں شامل نہیں وغیرہ۔ اس کے مقابلہ میں اسلام نہایت واضح اور قطعی طور پر اس بات کا مبلغ ہے کہ خدا صرف ایک ہے۔ یہاں ایک اللہ کے سوا اور کوئی الہٰ نہیں۔

اسلام اور دوسرے مذاہب کے اس فرق کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ جدید سائنسی دنیا میں جو مذہب قابل قبول ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اسلام ہے جو خالص توحید کا مذہب ہے۔ دوسرے مذاہب جدید سائنسی دنیا میں غیر مطابق ہو کر رہ گئے ہیں کیونکہ وہ شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور شرک کا اصول جدید سائنس کی دریافت کائنات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں۔

**مشرکانہ مذاہب:** اسلام کے سوا دوسرے مذاہب مشرکانہ مذاہب ہیں۔ مشرکانہ مذاہب میں فطرت کے مظاہر کو خدا کا درجہ دیا گیا ہے۔ اور ان کو مقدس سمجھ کر ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ شرک دراصل مظاہر فطرت کی پرستش ہی کا دوسرا نام ہے۔

موجودہ زمانہ میں فطرت کے ان مظاہر کی نہایت تفصیلی تحقیق کی گئی ہے۔ اور ان کے بارے میں قطعی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ یہ معلومات ان مظاہر فطرت کی خدائی کو بے بنیاد ثابت کر رہی ہیں۔

مثال کے طور پر ہندو ازم میں چاند کو دیوتا بتایا جاتا ہے۔ ہندو عقیدہ رکھنے والے لوگ قدیم ترین زمانہ سے چاند کو پوجتے چلے آرہے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں چاند کی علمی تحقیق کی گئی۔ دوربینوں سے اس کا

مشاہدہ کیا گیا۔ چاند کی مٹی کو زمین پر لاکر لیبارٹری میں اس کا تجزیہ کیا گیا حتی کہ ستمبر ۱۹۵۹ء میں روس کا راکٹ چاند پر اتر گیا۔ اس کے بعد جولائی ۱۹۶۹ء میں امریکی خلاباز نیل آرم اسٹرانگ نے چاند پر اپنے قدم رکھ دئے اس طرح آخری طور پر معلوم ہوگیا کہ چاند کوئی دیوتائی چیز نہیں ہے۔ وہ محض ریت اور پتھر کا ایک مجموعہ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ وہ دین آج کے انسان کا دین قرار پائے گا جو سورج اور چاند کو دیوتا بنا کر اسے پوجنے کے لئے کہتا ہے یا وہ دین جو انسان کا دین ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ سورج اور چاند کی پرستش نہ کرو۔ بلکہ تم اس خدا کی پرستش کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقہن (حم السجدہ ۳۷)

حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنسی دور میں چاند کی معبودانہ حیثیت ختم ہوگئی ہے۔ آج کا ایک شخص جو چاند کے بارے میں جدید سائنسی نقطہ نظر پر یقین رکھتا ہو وہ اسی کے ساتھ ان مذاہب پر یقین نہیں رکھ سکتا جو چاند کو دیوتا بناتے ہیں مگر اسلام کے ساتھ یہ مشکل نہیں کیونکہ اسلام چاند کو اور اسی طرح کے دوسرے اجرام سماوی کو مخلوق بتاتا ہے نہ کہ خالق اور معبود۔

مذہبی سادگی: اسلام کی ایک خصوصیت اس کی فطری سادگی ہے۔ یہ جدید سائنسی ذہن کے عین مطابق ہے۔ جدید انسان کا ذہن نیچر کے مطالعہ سے بنا ہے اس لئے نیچر میں جو سادگی ہے وہی سادگی جدید ذہن کے لئے بھی پسندیدہ چیز بن گئی ہے۔ جدید ذہن کے لئے وہی مذہب قابل قبول ہو سکتا ہے۔ جس میں فطری سادگی ہو۔ جو مذہب فطری سادگی سے خالی ہو وہ جدید ذہن کے لئے قابل بھی نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے سوا تمام مذاہب فطری سادگی سے بھی اور عملی سادگی سے بھی

موجودہ مسیحیت جس فلسفیانہ عقیدہ پر قائم ہے وہ تثلیث ہے یعنی تین میں ایک، ایک میں تین۔ ریاضیاتی طور پر یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ کوئی چیز بیک وقت ایک بھی ہو اور اسی کے ساتھ تین بھی۔ ایک سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے۔ دہلی یونیورسٹی کے ایک عیسائی پروفیسر سے پوچھا گیا کہ تثلیث کا مطلب کیا ہے۔ پروفیسر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ If you ask me I don't Know, if you dont ask I know.

یہودیت ایک اور اعتبار سے غیر سادگی کا منظر پیش کرتی ہے موجودہ بائبل میں عبادت اور قربانی کے مراسم اتنے زیادہ بتائے گئے ہیں کہ عام انسان کے لئے تقریباً ناممکن ہوگیا ہے کہ وہ ان تمام مراسم کی پابندی کرتے ہوئے عبادت اور قربانی کر سکے۔

بائبل کے باب کے باب اس قسم کے جزئی مراسم کی تفصیل سے بھرے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر حسب

ذیل ابواب ملاحظہ ہوں :-

احبار (LEVITICUS)
گنتی (NUMBERS)

اس کے مقابلہ میں اسلام کی عبادت ظاہری رسمیات سے بالکل خالی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی عبادت ایک انتہائی سادہ عمل کا نام ہے۔ سر ایڈورڈ ڈسن راس نے اسلام کی فطری سادگی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ اسلامی عقیدہ کی سادگی غالباً اسلام کی اشاعت میں زیادہ بڑا عامل تھی، بمقابلہ غازیوں کی تلوار کے۔

اسلام کی یہ سادگی جس نے قدیم زمانہ میں بے شمار انسانوں کو اسلام کی طرف راغب کیا اس کی وہی سادگی مزید اضافہ کے ساتھ جدید انسان کے لئے کشش کا باعث ہے۔ جدید انسان کا فطرت پسند ذہن اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں اپنی حقیقی تسکین نہیں پا سکتا۔

**درمیانی واسطہ نہیں** | جدید انسان کا ایک خاص ذوق یہ ہے کہ وہ حقیقتوں سے براہ راست طور پر مربوط ہونا چاہتا ہے۔ موجودہ سائنسی دنیا میں وہ تمام چیزوں سے براہ راست ربط قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس لئے یہ بالکل فطری بات ہے کہ وہ خدا سے بھی براہ راست مربوط ہونا چاہے۔ آج کا انسان میکرو کاسمک ورلڈ (ستاروں اور سیاروں کی دنیا) کو اپنی دوربینوں کے ذریعے براہ راست دیکھتا ہے اسی طرح وہ مائیکرو کاسمک ورلڈ (بیکٹیریا اور مالیکیول کی دنیا) کو اپنی خوردبینوں کے ذریعہ براہ راست دیکھ رہا ہے ان تجربات سے اس کا جو ذہن بنتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ حقائق کا براہ راست تجربہ کرے۔

اس اعتبار سے بھی اسلام ہی واحد مذہب ہے جو جدید ذہن کو اپیل کرنے والا ہے۔ دیگر تمام مذاہب میں خدا اور انسان کے درمیان واسطے مقرر ہو گئے ہیں۔ کسی مذہب میں پیشواؤں کا واسطہ کسی مذہب میں روحوں کا واسطہ، کسی مذہب میں خدا کے بیٹے اور خدا کے فرشتوں کا واسطہ، وغیرہ۔

جدید انسان خدا سے براہ راست مربوط ہونا چاہتا ہے۔ لیکن دیگر مذاہب اس کو صرف بالواسطہ انداز سے مربوط ہونے کا راستہ دکھاتے ہیں۔

آج کی دنیا میں صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جو خدا سے براہ راست مربوط ہونے کا طریقہ بتا رہا ہے۔ اسلام کے نزدیک بندے اور خدا کے درمیان ربط قائم ہونے کے لئے کسی تیسرے واسطہ کی ضرورت نہیں آدمی جس وقت چاہے خدا کی طرف متوجہ ہو اور وہ اپنے آپ کو خدا کے ربط (CONTACT) میں پائے گا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔

اور جب میرے بندے میرے بارہ میں پوچھیں تو میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب کہ وہ مجھے پکارتا ہے ۔

تاریخی معیار | خدا کی طرف سے جو پیغمبر حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ تھے ان دونوں پیغمبروں کا ذکر آتا ہے تو قدرتی طور پر مصر کی تاریخ بھی اس سے وابستہ ہو جاتی ہے ۔

ان دونوں پیغمبروں کا ذکر بائبل میں بھی ہے اور قرآن میں بھی ۔ بائبل جب حضرت یوسفؑ کا ذکر کرتی ہے تو ان کے زمانہ کے بادشاہ کا نام وہ فرعون (PHAROAH) بتاتی ہے ۔ اسی طرح بائبل میں جہاں موسیٰؑ کا ذکر ہے وہاں بھی ان کے ہم عصر بادشاہ مصر پر حکومت کر رہا تھا ۔ وہ بھی فرعون تھا اور حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جو بادشاہ مصر پر حکومت کر رہا تھا وہ بھی فرعون تھا ۔

یہ بات جدید تحقیقات سے غلط ثابت ہوئی ہے ۔ جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ حضرت یوسف کے زمانے میں مصر میں ان لوگوں کی حکومت تھی جن کو چرواہے بادشاہ (HYKSOS KINGS) کہا جاتا ہے یہ لوگ اصلاً مصری نہ تھے بلکہ عرب قبائل سے تعلق رکھتے تھے ۔ وہ باہر سے آکر مصر میں اسی طرح حکمران بن گئے جس طرح انگریز ہندوستان میں ایک عرصہ تک حکمران رہے ۔ چرواہے بادشاہوں کا یہ خاندان دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر پندرھویں صدی قبل مسیح کے آخر تک مصر پر قابض رہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک یہ خاندان مصر پر حکمران رہا ۔ اس کے بعد مصر میں ان کے خلاف بغاوت ہوئی اور ان کو مصر سے نکال دیا گیا اور ان کی جگہ ایک مصری خاندان کی حکومت قائم ہوئی یہی مصری خاندان ہے جس کے بادشاہوں نے سب سے پہلے فرعون کا لقب اختیار کیا ۔

اس سے ظاہر ہوا کہ بائبل کا بیان جدید تاریخی تحقیقات سے ٹکرا رہا ہے ۔ بائبل حضرت یوسف اور حضرت موسیٰؑ دونوں پیغمبروں کے ہم عصر بادشاہوں کو فرعون کہتی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ فرعون صرف حضرت موسیٰؑ کے ہم عصر بادشاہ کا لقب تھا نہ کہ حضرت یوسف کے ہم عصر بادشاہ کا ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بائبل جدید تاریخی معیار کا سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ۔ ایک شخص بائبل کو مانے تو اس تاریخ کو رد کرنا پڑے گا ۔ اس کے برعکس اگر وہ تاریخ کی تحقیق کو مانے تو اس کی نظر میں بائبل ناقابل اعتبار ہو جائے گی ۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید انسان مجبور ہے کہ وہ بائبل کو رد کر دے ، الا یہ کہ وہ اپنے سائنسی ذہن سے دست بردار ہو جائے ۔

مگر قرآن کا معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ قرآن میں حضرت یوسفؑ کا زمانہ کے بادشاہ کا بھی ذکر ہے اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بادشاہ کا بھی ذکر۔ مگر قرآن انتہائی بامعنی طور پر دونوں کے درمیان فرق کرتا ہے اس نے حضرت یوسف کے ہمعصر بادشاہ کے لئے عزیز کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی حکمراں یا ذی اقتدار کے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن جب حضرت موسیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہاں وہ ان کے ہم عصر بادشاہ کو واضح طور پر فرعون کہتا ہے گویا قرآن کے نزدیک حضرت یوسف کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ دوسرا تھا۔ اور حضرت موسیٰ کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ دوسرا۔

اس طرح مکمل طور پر یہ اہلیت رکھتا ہے کہ وہ جدید علم کا سامنا کرسکے۔ کیونکہ جدید علمی تحقیقات اور قرآن کا بیان دونوں کامل طور پر ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ یہاں آدمی کو یہ ضرورت نہیں کہ وہ قرآن کو ماننے کے لئے جدید علم کو چھوڑنے پر مجبور ہو یا جدید علم کو ماننا اس کے لئے صرف اس وقت ممکن ہو جب کہ وہ قرآن سے دست بردار ہو جائے۔

اسلام کی برتری | مریم جمیلہ ایک امریکی نو مسلمہ ہیں وہ امریکہ کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے مسلم ممالک کا سفر کیا بالآخر ایک پاکستانی مسلمان سے شادی کرلی اور اب وہ پاکستان میں مقیم ہیں۔ ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے اسلام مغرب کے مقابلہ میں (ISLAM VERSUS THE WEST) اس کتاب میں وہ اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

یونیورسٹی کی تعلیم کے زمانہ میں میں نے ایک مضمون لیا جو "یہودیت اسلام میں" کہا جاتا تھا میرا عربی پروفیسر اپنے طلبہ کو جو سب کے سب یہودی تھے اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ اسلام کا یہودیت سے اس کہ اسلام کا ماخذ یہودیت ہے۔ ہماری نصابی کتاب میں قرآن کی ایک ایک آیت کو لے کر دکھایا گیا تھا۔ کہ کس طرح وہ یہودی ذرائع علم پر مبنی ہے۔ پروفیسر کے لیکچر کے ساتھ ہم کو ایسے فلم اور سلائڈ بھی دکھائے جاتے تھے جن میں صیہونیت اور یہودی ریاست کی تعریف ہوتی۔ اگرچہ پروفیسر کا حقیقی مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ اسلام پر یہودیت کی برتری ثابت کرے مگر میرے اوپر اس کا اثر بالکل الٹا پڑا۔

جیسے جیسے میں نے قدیم عہد نامہ اور قرآن کا گہرا مطالعہ کیا۔ دونوں کا تضاد مجھ پر نمایاں ہوتا چلا گیا۔ ایک معنی میں قدیم عہد نامہ صرف یہودیوں کی تاریخ تھی جو خدا کے چنے ہوئے لوگ تھے۔ قرآن اگرچہ عربی زبان میں ایک عرب پیغمبر پر اترا۔ اس کا پیغام ایک عالمی پیغام ہے جو تمام نسل انسانی کو خطاب کرتا ہے۔ جب میرے پروفیسر نے بتایا کہ فلسطین پر یہودیوں کا خدائی حق ہمیشہ سے یہودی شریعت کا مرکزی جز رہا ہے تو مجھے خدا کے اس تنگ نظر عقیدہ سے بہت دھکا لگا۔

کیا قرآن یہ نہیں کہتا کہ پورب پچھم سب خدا کے ہیں۔ تم جدہر بھی رخ کرو ادہر خدا تمہارے لئے موجود ہوگا

کیا پیغمبر اسلام نے نہیں کہا کہ تمام زمین خدا کی مسجد ہے۔ صیہونیت کہتی ہے کہ یہودیوں کا وطن صرف فلسطین ہے دوسری جگہ وہ جلاوطن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے پروفیسر کا دعویٰ کہ یہودی صرف فلسطین میں رہ کر انسانی تہذیب میں اپنا حصہ ادا کر سکتے ہیں بے بنیاد نظر آتا ہے۔ جب اس حقیقت کو دیکھا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی مصر میں آئی۔ تالمود کے انتہائی اہم حصے اس سرزمین میں لکھے گئے جسے آج عراق کہتے ہیں۔

اسلام اتنا برحق مذہب ہے کہ دوسرے مذہبوں سے اس کا سادہ تقابل ہی اس کی برتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ بائبل ایک قوم کی قومی تاریخ معلوم ہوتی ہے جب کہ قرآن میں عالمی انسانی پیغام ملتا ہے۔ یہودیت کے نزدیک سارا تقدس بس فلسطین کی سرزمین میں ہے۔ جب کہ اسلام کہتا ہے کہ ساری زمین خدا کی زمین ہے۔ یہودیت کے مطابق ان کے مذہب اور فلسطین کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ خود حضرت موسیٰ کو خدا نے فلسطین سے باہر خطاب کیا۔ اور یہودیوں کی مقدس مذہبی کتاب فلسطین کے باہر مرتب کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اتنا کامل اور اتنا برحق دین ہے کہ دوسروں کے سامنے صرف اس کو سادہ صورت میں پیش کر دینا کافی ہے بشرطیکہ ہم اس کو کسی ملاوٹ کے بغیر اس کی اصلی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

جدید تقاضا موجودہ زمانہ کے ایک مفکر نے لکھا ہے کہ آج کے انسان کے لئے وہی مذہب قابل قبول ہو سکتا ہے جس کی تعلیمات عالمی ہوں اور جس کا فکر عقلیت پر مبنی ہو۔ (universal in content and rational in thought.)

مذکورہ مفکر کی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ یہ دونوں صفات آج صرف اسلام کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اسلام کے سوا دوسرا کوئی مذہب نہیں جو دورِ جدید کے اس معیار پر پورا اترے۔

اسلام اپنی ابتدائی ربّانی شکل میں آج بھی کامل طور پر محفوظ ہے جب کہ دوسرے مذاہب کا حال یہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں ان کے اندر انسانی آمیزش چلی گئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی آفاقیت بھی کھو دی اور اسی کے ساتھ اپنی عقلیت بھی۔ انسان کی محدودیت نے خدائی مذاہب میں شامل ہو کر خدائی مذہب کو بھی محدود کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب میں انسان اور انسان کے درمیان تفریق پائی جاتی ہے چونکہ لوگوں کے درمیان تفریق اور امتیاز موجود تھا۔ انہوں نے اپنی اس عملی حالت کو نظریاتی جواز فراہم کرنے کے لئے اس کو ایک مذہبی چیز بنایا اور پھر اس کو اپنی مذہبی کتابوں میں داخل کر دیا۔ مذاہب میں بادشاہ اور رعایا کی تقسیم۔ آزاد اور غلام کی تقسیم، امیر اور غریب کی تقسیم، مذہبی پیشوا اور عام انسان کی تقسیم۔ یہ تمام چیزیں اسی نارسائی غلطی کا نتیجہ ہیں

یہی معاملہ عقلیت کا بھی ہے انسان کی عقل محدود ہے وہ حدبندیوں میں رہ کر سوچتی ہے۔ اسلام کے

باقی صا۵ پر